© rasailojaraid.com

حضرت العلام مولانا محمد گوندلوی صاحب

دوامِ حدیث

تفسیر بالروایت پر منکرینِ حدیث کے اعتراضات اور اُن کے جوابات

* * *

قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (۴۲:۲۳)

کہہ دیجیے کہ اس تبلیغ پر میں کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا، بجز رشتہ کے سلوک کے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت جملہ بطون قریش میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان مبارک سے یہ اعلان کرایا کہ کہہ دو کہ میں تبلیغِ قرآن اور تعلیم دینے پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، صرف رشتہ داری کا برتاؤ میرے ساتھ رکھو"

امام ترمذی نے اس کو درج کرنے کے باوجود سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ "قربیٰ" کے معنی اس آیت میں آلِ محمد کے ہیں، یعنی میری تبلیغ کا اجر کچھ نہیں، سوائے اس کے کہ میری اولاد سے محبت رکھو"

یہ دراصل پروپیگنڈا ہے اور قرآن کی سراسر تحریف، کیونکہ قرآن میں "الا المودۃ القربیٰ" نہیں ہے بلکہ "الا المودۃ فی القربیٰ" ہے۔ اور قربیٰ کے معنی رشتہ کے ہیں، رشتہ داروں کے نہیں۔ عترت کی محبت لازمی گرداننے سے ان کو خلافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینا بھی امت کا فریضہ ہو جاتا ہے۔ اور یہی ان کا مقصود تھا۔ جامع البیان میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم (یعنی عباس اور ان کی اولاد) کو اللہ اور رسول کے لئے محبوب نہ رکھے۔ امام ترمذی نے "ابواب التفسیر" میں تو نہیں البتہ کتاب المناقب میں اس کو درج کیا ہے۔ یہ روایت عباسی خلفاء کی محبت کو لازمی گردانتی ہے جو بغداد میں حکمران تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس مہبط وحی سے جو توحید کا منارہ دنیا میں بلند کرنے کے لئے آیا تھا، ایسا شرکیہ قول ممکن بھی ہے کہ جب کسی کے دل میں اپنے ہی جیسے دوسرے بے بس انسان کی محبت نہ ہو، اس وقت ایمان کا داخلہ ہی اس میں نہیں ہو سکتا؟ تعجب ہے کہ امت اسلامیہ کے بہترین افراد حضرات عشرہ مبشرہ و اصحاب بدر کے دلوں میں کیسے ایمان داخل ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت تو حضرت عباسؓ جن کی محبت شرطِ ایمان کہی گئی ہے، خود بھی ایمان نہیں لائے تھے۔ (مقامِ حدیث ۲۸، ۲۹، ۳۰ ج ۱)

اس جگہ صرف دو وجہ سے اعتراض ہے، ایک یہ کہ سعید بن جبیر نے جو تفسیر ذکر کی ہے، وہ ٹھیک نہیں، امام ترمذی نے اسے کیوں نقل کیا۔ اس تفسیر کے غیر صحیح ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ محبت، خلافت دینے کو لازم گردانتی ہے اور عترت کو لازمی طور پر خلافت دینا صحیح نہیں،

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عباسؓ کی منقبت میں جو حدیث وارد ہے، وہ غلط ہے۔ اس کی دو وجہ ہیں، اول یہ کہ یہ قول شرکیہ ہے۔ دوم اس وجہ سے غلط ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا ایمان متاخر ہے اور بہت سے لوگ جو ان سے مراتب میں بڑھے ہوئے ہیں جیسے عشرہ مبشرہ اصحاب بدر ان سے پہلے مسلمان ہوئے ہیں۔ پھر اس حدیث کو جامع البیان والے نے تفسیر میں نقل کیا ہے۔

پہلا اعتراض تو بے سوچے سمجھے ہی کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ امام ترمذی نے سعید بن جبیر کا قول تردید کے لئے نقل کیا ہے نہ استدلال کے لئے، کیونکہ ترمذی کی عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"طاؤس کہتے ہیں، عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا، تو سعیدؒ بن جبیر نے کہا، قربیٰ سے مراد آل محمد ہے، پھر عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو کہا، تجھے علم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق قریش کے تمام بطون سے تھا۔"

اس صورت میں اس آیت کا یہ مطلب ہوا کہ میرے ساتھ قرابت کی بنا پر صلہ رحمی کرو — پھر اس کے بعد خوب استدلال کرتے ہیں کہ اگر قربیٰ سے آل محمد مراد ہو تو اقرباء کا لفظ ہونا چاہیئے، نہ قربیٰ کا کیونکہ قربیٰ رشتہ کو کہتے ہیں۔

مگر یہ بات دماغ میں نہیں آئی کہ سعید بن جبیرؒ بھی تو آخر عرب اور تابعین سے بہترین فاضل ہیں، اتنی غلطی نہیں کر سکتے۔ جو انہوں نے کہا ہے وہ لغت کے اعتبار سے غلط نہیں ہو سکتا۔ مصدر کا حمل کرنا مبالغہ کی شکل میں عرب میں مشہور ہے، جیسے "زید عدل" یعنے زید عدل والا ہے، اسی طرح یہاں مراد اہل قربیٰ ہونگے جیسا کہ زمخشری نے کہا ہے، پھر لام کی جگہ فی لانے میں نکتہ بھی بیان کیا ہے، یعنی اس سے مراد پختہ محبت ہے۔

۲۔ حضرت عباسؓ یا دیگر اہل بیت سے محبت کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا طبعی تقاضا ہے، کہ انسان جب کسی نبی پر ایمان لاتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے تو ضرور ہے کہ اس کے ساتھ جو علاقہ دوستی یا قرابت یا نصرت وصحبت کا رکھتے ہیں، ان سے بھی محبت کرے۔ اگر کسی کے دل میں ان کی محبت نہ ہوگی تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس شخص کے دل میں نبی کی محبت نہیں۔ یہ اسی وقت ہے جب وہ رشتہ دار نبی کے ساتھ ایمان رکھتے ہوں ورنہ وہ نبی کے بھی دشمن ہوں گے، پس ان سے محبت کرنا لوازمِ ایمان سے نہیں ہوگا بلکہ منافی ایمان ہوگا پس جو لوگ حضرت عباسؓ سے پہلے ایمان لائے تھے، ان کے ایمان کے ساتھ عباسؓ کی محبت لازم نہ تھی۔ جس وقت آپؐ نے فرمایا تھا اس وقت سے ان کے ساتھ محبت کرنا لازمی تھا کیونکہ اس وقت وہ ایمان لا چکے تھے۔ پھر یہ محبت کرنے کا حکم نہیں بلکہ ایمان بالرسول کے بعد خود بخود یہ محبت پائی جاتی ہے۔ اسی واسطے حدیث میں یہ لفظ کہ تمہارے ساتھ اللہ اور رسول کے لئے محبت کرے۔ اسی طرح انصار کے متعلق بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیا ہے کیونکہ انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جگہ دے کر اور مدد کر کے تمام عرب سے دشمنی اور مخالفت مول لے چکے تھے۔ پس جس شخص کے دل میں ایمان نہیں ہوتا تھا وہ طبعًا ان سے بغض رکھتا تھا اور جس کے دل میں ایمان ہوتا تھا وہ طبعًا ان سے محبت کرتا تھا۔ یہی حال دیگر بڑے صحابہ کا تھا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب صحابہؓ کے متعلق فرمایا، جو ان سے محبت کرے گا، اس نے مجھ سے محبت کی پس جب آپؐ نے سب سے محبت کی اور سب کے متعلق یہ فرمایا تو اب اس محبت کو خلافت دینے کا ذریعہ قرار دینا باطل ہو گیا۔ نیز خلافت کیلئے قابلیت کی بھی ضرورت ہے۔ جب کسی شخص میں قابلیت نہ ہو گی تو محض محبت کی بنا پر اس کے لئے خلافت کا استحقاق ثابت نہیں ہو سکتا خصوصًا جب غیر قرابت دار کی خلافت کا بھی پتہ چل رہا ہو۔

تفسیر بالروایت پر نواں اعتراض

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام کہنے لگے کہ فرعون غرق ہونے لگا تو ایمان لانا چاہتا تھا، کاش اس وقت اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے دیکھتے کہ میں سمندر کی مٹی لئے ہوئے، اس کے منہ میں ٹھونس رہا تھا، اس خوف سے کہ کہیں یہ کلمہ نہ پڑھ دے، اور اس پر اللہ کی رحمت نہ آ جائے" ———— یہ روایت قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے، اس وجہ سے اس کا صحیح ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ

۱۔ جبرائیل اللہ کی طرح ہر جگہ موجود نہیں ہوتے، قرآن میں صاف کہہ دیا گیا ہے کہ فرشتے بلا حکم الٰہی نہیں اترتے (وما نتنزل الا بامر ربک)

۲۔ جبرائیل روح القدس ہیں جن کا وظیفہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کے پاس اللہ کے پیغامات پہنچائیں نہ کہ کلمہ حق سے روکنے کے لئے کسی کے منہ میں مٹی ٹھونسیں۔

۳۔ فرشتے اپنے ارادہ یا جذبہ سے کوئی کام نہیں کرتے بلکہ یفعلون ما یؤمرون وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے، اگر جبرائیل کا یہ فعل بحکم الٰہی تھا تو پھر فرعون ان کے اوپر غالب کیوں رہا کیونکہ قرآن میں تو تصریح ہے کہ اس نے کلمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھ دیا۔ قال آمنت انہ لا الٰہ الا الذی آمنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین (پ ۱۱)

۲۔ فرعون نے کہا، میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں بجز اس معبود کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمان ہوں، اور جبرائیل کی ساری محنت اکارت گئی (مقام حدیث ص ۳۰، ۳۱، ۳۲، ج ۲

جواب:

۱۔ اس روایت پر یہ اعتراض (کہ جبرائیل ہر جگہ موجود نہیں رہتے، وہ صرف اللہ کے حکم سے اترتے ہیں) بالکل لغو ہے۔ کیونکہ روایت میں یہ نہیں کہ جبرائیل بدوں حکم آئے تھے۔ صرف جبرائیل کے وہاں ہونے اور فرعون کے منہ میں مٹی ٹھونسنے کا ذکر ہے، اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ وہ ہر جگہ ہوتے ہیں یا بدوں حکم آئے تھے؟

۲۔ جبرائیل کا وظیفہ (پیغام پہنچانا) اس امر کے منافی نہیں کہ ان سے کوئی اور کام بھی لیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے، لیلۃ القدر میں فرشتے اور روح (جبرائیل) اترتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ اترنا کسی اور کام کے لئے ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو فرشتے آئے تھے اور بعد میں وہی فرشتے لوط کی بستیوں کو الٹا دیتے ہیں، ان میں جبرائیل بھی تھے اور لوط کی قوم کو اندھا کر دیتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جبرائیل سوائے پیغام رسانی کے اور کام بھی کرتے ہیں۔ پھر قرآن میں ان کے وظیفہ کے متعلق پیغام رسانی میں محفوظ ہونے کا ذکر نہیں آیا۔

۳۔ ان کا مٹی ٹھونسنا حقیقت میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا مستجاب کا اثر تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی:

"واشدد علیٰ قلوبہم فلا یؤمنوا حتیٰ یروا العذاب الالیم" (یونس)

کہ اے ہمارے رب ان کے (فرعون اور اس کی جماعت) دل سخت کر دے کہ یہ ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ اس قسم کی دعا حضرت نوح علیہ السلام سے بھی قرآن میں منقول ہے:

"ولا تزد الظالمین الا ضلالا" (نوح)

کہ (اے رب) ظالموں کو زیادہ نہ کر مگر گمراہی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی بد دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کفار دفع الوقتی کے لئے کبھی کبھی ایمان کا اظہار کر کے عذاب سے رہائی حاصل کر لیتے جیسا کہ فرعون کے قصہ میں مذکور ہے:

"ولما وقع علیہم الرجز قالوا یموسیٰ ادع لنا ربک بما عھد عندک لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لک ولنرسلن معک بنی اسرائیل (اعراف)

"جب ان پر عذاب واقع ہوتا تو کہتے، اے موسیٰؑ اس خاص دعا سے اللہ کو پکاریئے جو اس نے آپ کو سکھائی ہے، اگر آپ ہم سے عذاب اٹھا لیں گے تو ہم آپ کی بات مان لیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے"۔

لیکن جب عذاب اٹھ جاتا، دوبارہ عہد شکنی کرتے، اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے کہا، یا اللہ ان کے دل اب سخت کر دے، اتنے سخت کہ اب عذاب الیم کو دیکھ کر ہی ایمان لائیں۔ یعنی جب عذاب میں گرفتار ہو جائیں تو ایمان لائیں اور اس وقت کا ایمان نفع نہیں دیتا، پس تباہ ہو جائیں۔

جبرائیل علیہ السلام چونکہ فرعون کی دفع الوقتی سے واقف تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو بھی جانتے تھے اس لئے انہوں نے مٹی ٹھونسی کہ فرعون کو اور ڈھیل نہ ملے، اسی وقت تباہ ہو جائے ورنہ یوں تو ان کو علم تھا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوگا۔ اور یہ کلمہ پڑھنا بھی ایک دفع الوقتی ہے جیسے اس کی عادت تھی۔ جبرائیلؑ کا یہ کام فعل الٰہی کے مطابق تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا منظور ہو چکی تھی "قد اجیبت دعوتکما" (یونس) (اے موسیٰ تمہاری دعا قبول ہو چکی ہے۔ یعنی فرعون عذاب میں گرفتار ہو کر ہی ایمان لائے گا اور وہ ایمان فائدہ نہیں کرتا۔

باقی رہا یہ سوال کہ فرعون ان کے اوپر غالب کیوں رہا، یہ سوال بھی اصل حقیقت سے ناواقفی کی بنا پر ہے، کیونکہ جبرائیلؑ کا مقصد یہ تھا کہ یہ اس کا کلمہ پڑھنا دفع الوقتی نہ ہو، بلکہ یہی وہ عذاب الیم ہو جس کا ذکر موسیٰ علیہ السلام کی دعا مستجاب میں ہے۔ اور ایسا ہی ہوا یعنی فرعون غرق ہو کر واصل جہنم ہوا کیونکہ ایسا ایمان فائدہ نہیں کرتا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوا باسنا سنۃ اللہ التی قد خلت فی عبادہ المؤمنین"

یعنی جب انہوں نے عذاب دیکھا (تو ایمان لے آئے مگر ان کو) یہ ایمان لانے کا فائدہ نہ ہوا، یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں چلی آرہی ہے:

"ولیست التوبۃ للذین یعملون السیات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الآن (نساء)

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے ہیں اور جب ان سے کوئی آدمی مرنے لگے تو کہے میں نے اب توبہ کی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ذکر کیا ہے

"یقدم یوم القیامۃ فاوردھم النار" (ہود)

قیامت کے دن قوم کے آگے ہو کر ان کو آگ وارد کرے گا۔

تفسیر بالروایت پر دسواں اعتراض

جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرۃ رضؓ سے ایک طویل روایت بیان کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کی راہ ہے، پھر پہلے آسمان سے دوسرے آسمان تک بھی اسی قدر فاصلہ ہے اور آسمان سات ہیں جن کے اوپر عرش ہے، اس کا فاصلہ بھی ساتویں آسمان سے پانچ سو سال کی راہ ہے۔ اسی طرح اس زمین کے نیچے زمین ہے، پانچ سو سال کی مسافت پر دوسری زمین ہے، اور زمینیں بھی سات ہیں، ہر زمین سے دوسری زمین تک اسی قدر فاصلہ ہے۔ قسم ہے اللہ کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی رسی زمین کے اسفل ترین طبقہ میں لٹکائے تو وہ ٹھیک اللہ کے اوپر جا گرے، پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی ھو الاول والآخر، الآیۃ

ھو الاول والآخر کی یہ تفسیر کہ اللہ ادھر سب سے اوپر عرش پر ہے اور ادھر سب سے نیچے تحت الثریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہو سکتی۔ رواۃ کو تو نہیں لیکن اس حدیث کے شارح کو یہ احساس ہوا کہ اس سے اللہ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا تعدد لازم آتا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی ان کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ وہ رسی جو لٹکائی جائے گی، اللہ کی ذات پر نہیں بلکہ اللہ کے علم پر گرے گی، کیونکہ اللہ کی ذات تو ایک ہی ہے اور وہ قرآن کی تصریحات کے مطابق عرش پر ہے مگر پھر بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جب وہ رسی لٹکائی جائے گی اور طبقہ در طبقہ زمینوں میں لٹکتی ہوئی گرے گی تو اللہ کا علم اس کو محیط نہ ہوگا، پھر تحت الثریٰ میں پہنچ کر علم الٰہی پر گرنے کے کیا معنی؟

اب اس کے خلاف ایک دوسری حدیث سنیئے کہ وہ بھی ترمذی میں ہے:

حضرت عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ۷۱، ۷۲، ۷۳ سال کی راہ ہے اور سات آسمان ہیں جن میں سے ہر ایک سے دوسرے کا فاصلہ اسی قدر ہے۔ ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے جس کی گہرائی بھی اتنی ہی ہے۔ اس کے اوپر سات پہاڑی بکرے ہیں، جن کے کھروں سے گھٹنوں تک اسی قدر فاصلہ ہے، ان بکروں کی پشت پر عرش ہے، جس کی موٹائی اسی قدر ہے غالباً یہ کان عرشہ علی الماء کی تفسیر ہے اور چونکہ قرآن میں قیامت کے ذکر میں ہے کہ اس دن حاملین عرش آٹھ ہونگے اس وجہ سے بکرے پھر سات ہی ہیں، یہ بکرے کس پہاڑ کے ہیں، ہم نے شروع حدیث میں اس کا نام بہت ڈھونڈا مگر نہ پایا۔

یہاں افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ رواۃ حدیث بجز روایت کشی کے اور کوئی علم کم تر جانتے تھے، امام ترمذی نے ۲۷۹ھ میں وفات پائی جس سے تقریباً ایک صدی پہلے مسلمانوں میں ہیئت اور جغرافیہ کے فن رائج ہو چکے تھے، اگر انہوں نے ان کا مطالعہ کیا ہوتا تو ایسی روایتوں کو صحیح قرار دے کر درج کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

جواب:

اس سے قبل کہ ہم اعتراضات کے جوابات لکھیں، چند باتوں کا علم ہونا ضروری ہے:

© rasailojaraid.com

۱۔ جو حدیثیں بخاری و مسلم میں ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں مطابق صحاح ستہ یعنی

© rasailojaraid.com

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی وغیرہ) میں بعض حدیثیں صحیح ہیں اور بعض حسن اور بعض ضعیف، حدیث کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ رواۃ ثقہ ہوں اور سند میں اتصال ہو، نہ اس میں کوئی شذوذ ہو اور نہ علت ہو۔ بعض وقت ایک محدث حدیث کو صحیح یا حسن کہتا ہے مگر حقیقت میں وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ بعض محدثین اس معاملہ میں تساہل (سستی) کر جاتے ہیں۔ چنانچہ محدثین نے تتبع اور استقرار کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ حاکم کی تصحیح (کسی حدیث کو صحیح کہنا) اور امام ترمذی کی تحسین (حدیث کو حسن کہنے) پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ اس کی چھان بین ضروری ہے۔

۲۔ بعض وقت محدثین روایت کو صرف معرفت کے لئے ذکر کرتے ہیں، اس سے دلیل پکڑنا مقصود نہیں ہوتا خاص کر جب بیان کرنے کے بعد اس حدیث کے ضعف کی وضاحت کر دیں۔

اب جواب سنئے، امام ترمذی نے پہلی روایت کے ذکر کے بعد یہ فرمایا ہے:

"هذا حديث غريب من هذا الوجه ويروى عن ايوب ويونس بن عبيد و على بن زيد قالوا لم يسمع الحسن من ابى هريرة"

کہ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے، ایوب، یونس بن عبید اور علی بن زید سے مروی ہے کہ حسن نے ابو ہریرۃ رضی سے نہیں سنا۔

پس یہ روایت منقطع ہوئی، حدیث کی صحت کے لئے اتصال شرط ہے، وہ شرط نہ پائی گئی، لہذا یہ حدیث ضعیف ٹھہری اور ضعیف سے استدلال درست نہیں ہوتا "وردہ جماهير النقاد للجهل بالساقط فى الاسناد" (الفیہ عراقی)

جمہور اہل نقد نے ایسی حدیث کو (جس میں کوئی راوی گر گیا ہو) رد کر دیا ہے کیونکہ گرنے والے راوی کا حال معلوم نہیں، پس معترض کا سارا تانا بانا غلط ٹھہرا

دوسری حدیث جو حضرت عباس رض سے مروی ہے، اس کی سند اس طرح ہے:

حدثنا عبد بن حميد عبد الرحمن بن سعد عن عمرو بن قيس عن سماك بن حرب عن عبد الله بن عميرة عن الاحنف بن قيس عن العباس بن عبد المطلب الخ

© rasailojaraid.com

اس سند میں عبداللہ بن عمیرہ کے متعلق میزان میں لکھا:

© rasailojaraid.com

فیہ جہالۃ قال البخاری لا یعرف لہ سماع من الاحنف بن قیس لہ عنہ عن العباس حدیث المزن والعنان (میزان ج ۲، ص ۶۱)

اس میں جہالت ہے، یعنی نامعلوم شخص ہے، امام بخاری فرماتے ہیں، احنف بن قیس سے (جس سے وہ روایت کر رہا ہے) اس کا سماع ثابت نہیں اور یہی اس سند کے ساتھ عباس سے یہ حدیث بیان کرتا ہے۔

پس یہ حدیث بھی ضعیف ٹھہری اور اعتراض باطل ٹھہرا، کیونکہ جس حدیث کو خود محدثین نے ضعیف اور منقطع بیان کیا ہو، اب آپ کو اس سر دردی کی کیا ضرورت کہ حدیث واقعات کے خلاف ہے۔ اگر محدثین سب صحیح کہتے ہوں تو پھر آپ کو اعتراض کا حق پہنچتا ہے۔ پھر اعتراض کرنے والے نے یہ حدیث کسی رسالے سے نقل کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"غالباً یہ کان عرشہ علی الماء" کی تفسیر ہے اور چونکہ قرآن میں قباحت کے ذکر میں ہے کہ اس دین حاملین عرش آٹھ ہوں گے) مقام حدیث، ج ۲ ص ۳۵)

حالانکہ یہ حدیث کان عرشہ علی الماء" کی تفسیر میں ذکر نہیں کی گئی بلکہ دوسری جگہ مذکور ہوئی ہے۔ امام ترمذی نے اگرچہ دوسری حدیث کو حسن کہا ہے، مگر ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام ترمذی کی تحسین قابلِ تفتیش ہوتی ہے، اسی واسطے ہم نے تفتیش کے بعد اس کا ضعف واضح کر دیا ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کے بعد ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن کثیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق لکھا ہے:

انہ مرسل من ھذا الوجہ ولعل ھذا ھو المحفوظ۔

یہ حدیث قتادہ سے آئی مگر قتادہ سے بدون سند ہی بیان کیا ہے اور بدون سند ہونا بھی اس میں ٹھیک ہے۔ یعنے یہ حدیث سند کے ساتھ ثابت نہیں بلکہ بدون سند قتادہ مرسل ہی وارد ہوئی ہے۔

اب آئیے اعتراضات کے جوابات کی طرف،

۱۔ امام ترمذی نے جو عنوان الفاظ ... علی ... رسی اللہ پر گرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد لکھا ہے کہ اللہ کے علم پر وہ رسی گرے۔ وہ اس لئے نہیں کہہ رہے کہ ظاہر رہنے سے اللہ کا تعدد لازم آتا ہے، بلکہ یہ کہنا چاہتے ہیں، ظاہر رکھنے سے اللہ کا ہر جگہ ہونا لازم آتا ہے، اس واسطے انہوں نے اس کی تاویل کی ہے یعنی اس جگہ اللہ کا علم مراد ہے اور اللہ کا علم ہر جگہ ہے یعنی وہاں تک پہنچ کر اللہ کے علم سے باہر نہیں ہو جاتی۔

۲۔ اس حدیث میں جو سات زمینوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے وہ اسی طرح ہے جس طرح آسمان کا نقشہ کھینچا گیا ہے، زمین اور آسمان کا لفظ اصل میں ایک عرفی امر پر محمول ہے۔ اوپر کی چیز کو آسمان کہتے ہیں اور نیچے کی چیز کو زمین۔ پس وہی شی جو اوپر کی طرف دائرہ افق سے اوپر ہے وہ آسمان ہے، جو دائرہ افق سے نیچے ہے، وہ زمین ہے یعنی نظام شمسی سارے کا سارا ایک بہت بڑی وسعت والے فضا میں موجود ہے اور آسمان حقیقت ہر طرف سے اس کو محیط ہے۔ مگر عرف میں اوپر کے حصہ کو آسمان کہتے ہیں اور نیچے کے حصہ کو زمین، جس کرہ پر ہیں صرف اسی کا نام ہی زمین نہیں بلکہ آسمان کے تحت الافق حصے کو اس حدیث میں زمین کہا گیا۔

۳۔ پھر مسافت کا اختلاف کہ حدیث میں پانچ سو بتلایا ہے اور اس کے برعکس دوسری حدیث میں ۱، ۲، ۷ یا ۷۳ بتلایا ہے، اس کی توجیہہ اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ ایک جگہ حرکت سریع مراد لی ہو اور ایک خفی، بعض وقت یہ الفاظ مبالغہ کے لئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں، ان سے کوئی خاص تخصیص عدد مراد نہیں ہوتا یہ اسی طرح ہے جس طرح قرآن میں ہے:

"فارسلناہ الی مائۃ الف او یزیدون"

پھر ہم نے اس کو ایک لاکھ کی طرف بھیجا یا زیادہ کی طرف۔ بظاہر آیت میں شک ہے، مگر چونکہ تحدید مراد نہیں، اس لئے یہ عبارت اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔

۴۔ پھر فرشتوں پر تمسخر اڑایا ہے اور یہ نہیں سمجھے کہ فرشتے متمثل ہو کر بھی نظر آتے ہیں اور جس شکل میں چاہیں متمثل ہوں یا جس شکل میں اللہ تعالیٰ چاہے دکھا دے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاملین عرش بکروں کی شکل میں نظر آگئے تو آپ نے ان کو بکروں کے ساتھ ہی تعبیر کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حجۃ اللہ البالغہ میں ہے:

"فقد ورد الشرع قریبًا من ذالک الا انہ سماھم جمیعا وعولا وذالک بحسب ما یظھر فی عالم المثال من صورھم" (صفحہ ۱۰۱، ج ۱)

"کہ شرع میں اس کے قریب بیان آیا ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (فرشتوں) کو پہاڑی بکرے کہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم مثال میں ان کی صورتیں اسی طرح ظاہر ہوئیں"

مقام حدیث میں نہایت تمسخر کی صورت میں کہا گیا ہے "ہم نے شروح حدیث میں اس پہاڑ کا نام بہت ڈھونڈا مگر نہ پایا"

مگر اللہ تعالیٰ نے اسی مضمون میں ان کی عقل اور مطالعہ کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ عقل کا تو اس لئے کہ معمولی بات بھی نہ سمجھ سکے، اور مطالعہ کا اس طرح کہ خود کہہ رہے ہیں۔ غالباً یہ "کان عرشہ علی الماء" کی تفسیر ہے" یعنی یہاں سے کسی کی نقل در نقل کی، مکھی پر مکھی ماری، خود نہیں دیکھا، جب نفسِ مضمون ہی یہاں دیکھا تو شروح تو ضرور دیکھی ہوں گی۔ جہر رسالوں میں اس قدر اعتماد کرتے ہوئے لوگوں کو اپنے کثرتِ مطالعہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں، فلاں کتاب میں ایسا ہے اور فلاں کتاب میں ایسا ہے۔

یہ ہی نہفتہ او ... دلبر درکرشمہ نازہ!

تفسیر بالروایت پر گیارھواں اعتراض

وانا لنحن نحي ونميت ونحن الوارثون ○ ولقد علمنا المستقدمين منكم ولقد علمنا المستأخرين ○ وان ربك هو يحشرهم (۱۵/۲۳-۵)

اور ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں اور اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی جانتے ہیں۔ یہ تیرا رب ہے، جو ان کو حشر میں لائے گا۔

اس آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگلوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو پہلے گذر گئے اور پچھلوں سے وہ لوگ جو ان کے بعد مرے یا ماریں گے، یہ سب کے سب علم میں ہیں۔ جو ان کو قیامت کے دن حشر میں جمع کرے گا۔ اسی مفہوم کی دوسری آیت میں ہے:

قل ان الاولین والآخرین لمجموعون الی میقات یوم معلوم (۴۹-۵۰ / ۵۶)

کہہ دے کہ اگلے اور پچھلے ضرور متعینہ دن کی میعاد پر جمع کئے جائیں گے۔

لیکن جامع ترمذی میں ہے، حضرت ابن عباس رضؓ سے کہ ایک حسین ترین عورت (مسجد میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے آیا کرتی تھی۔ صحابہ میں کچھ لوگ آگے کی صف میں بڑھ جاتے تھے تاکہ ان کو نہ دیکھیں مگر کچھ لوگ پیچھے کی صف میں شریک ہوتے تھے اور رکوع کی حالت میں بغل کے نیچے کی طرف سے اس کی طرف جھانکتے تھے، اس پر اللہ نے یہ ایک آیت اتاری کہ ہم تم میں سے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی جانتے ہیں، یہ تیرا رب ہے کہ ان کو حشر میں لائے گا۔

متقدمین اور متاخرین کی ایسی تشریح اور صحابہ کرام پر ایسا الزام نہ صرف قرآن بلکہ عقل کے منافی ہے (مقام حدیث ج ۲ ص ۳۲-۳۳)

اس اعتراض کا ماحصل یہ ہے کہ حدیث والی تشریح سیاق و سباق کے بھی خلاف (۲) صحابہ پر پھر یہ الزام، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کی سند میں نوح بن قیس مختلف فیہ راوی ہے:

وقال ابوداؤد کان یتشیع وبلغنی ان یحییٰ ضعفہ (میزان ص ۵ ج ۲، ج ۳)

ابو داؤد فرماتے ہیں کہ نوح بن قیس شیعہ بن جاتا تھا اور یحییٰ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اس حدیث کی سند میں بھی ابن عباس کا لفظ ذکر ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں:

وروی جعفر بن سلیمان ھذا الحدیث عن عمرو بن مالک عن ابی الجوزاء نحوہ ولم یذکر فیہ عن ابن عباس وھذا اشبہ ان یکون اصح من حدیث نوح (ص ۱۴۰، ج ۲ ترمذی)

جعفر بن سلیمان نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے مگر اس نے ابن عباس کا نام نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیا دیکھئے یہ حدیث مرسل ہے اور اس کا مرسل ہونا دراصل صحیح ہے یعنی یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ مرسل محدثین کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ پس اعتراض رفع ہو گیا۔

ابن کثیر نے بھی اس حدیث کو نہایت غریب قرار دیا ہے:

"وهذا ورد فيه حديث غريب جداً" (ابن کثیر ص ۵۲۹ ج ۲)

اس آیت میں جو حدیث آئی ہے وہ سخت غریب ہے۔

"وهذا الحديث فيه نكارة شديدة" (ص ۵۵۰)

اس حدیث میں سخت نکارت ہے۔

"فالظاهر انه من الكلام ابي الجوزاء (ص ۵۵۰)"

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ ابوالجوزاء کی کلام ہے۔ ابن عباس کا ذکر اس میں ٹھیک نہیں۔ اب اعتراض کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔ اگر یہ واقعہ ثابت ہو تو اس صورت میں پچھلی صف میں عورتوں کو دیکھنے کے لئے کھڑا ہونے والا منافق سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس وقت منافق بھی نمازوں کے اندر شامل ہو جاتے تھے تاکہ نفاق چھپا رہے۔

سورہ احزاب میں ہے:

"یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یؤذین"

کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں کو اور اپنی لڑکیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہہ دیجیئے کہ اپنی چادروں کو لٹکا لیا کریں، اس سے پہچانی جائینگی (کہ یہ شریف ہیں) پھر (منافقوں اور اوباشوں سے) ستائی نہیں جائیں گی۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ منافق اور بعض اوباش لوگ اس وقت موجود تھے جو عورتوں سے تعرض کرتے تھے۔

پس اس آیت میں اسی قسم کے لوگ مراد لئے جائیں گے۔ اگرچہ سباق و سیاق سے اگلوں پچھلوں سے زندہ و مردے مراد ہیں مگر لفظ عام ہے۔ اس لئے اس میں وہ لوگ بھی داخل سمجھے جا سکتے ہیں جو صفوف میں آگے یا پیچھے ..

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھڑے ہوں۔

قرآنی الفاظ کا ایک لغوی مفہوم ہوتا ہے اور ایک سیاق و سباق سے متعین ہوتا ہے اور ایک شانِ نزول سے مفہوم ہوتا ہے۔ پس شانِ نزول، اگر لغوی مفہوم میں داخل ہو سکے تو آیت اس کو بھی شامل ہو گی اور سیاق و سباق سے جو مفہوم متعین ہوتا ہے، وہ بھی اس میں داخل ہو گا۔ پس یہ آیت اگلوں یعنی مُردوں اور پچھلوں یعنی زندوں کو بھی شامل ہے اور صفوف میں آگے پیچھے کھڑے ہونے والوں کو بھی۔

(باقی آئندہ)

ایک اہم ترین کتاب

دراسات و تحلیل

القادیانیہ (عربی)

علامہ احسان الٰہی ظہیر کی وہ معرکۃ الآرا کتاب جس نے "مرزائیت" کا عالمِ اسلام میں پردہ چاک کر دیا۔

دوسرے ایڈیشن کی چند کاپیاں باقی ہیں —— آفسٹ پیپر —— اعلیٰ طباعت

قیمت صرف ۲۰ روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ ترجمان السنۃ ۷۔ ایبک روڈ، انار کلی۔ لاہور

© rasailojaraid.com